© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

ایک حدیث

رویتِ مصطفیٰ کا درجہ

(۲)

گزشتہ قسط میں حضرت جابرؓ کی زبانی ایک ارشادِ نبویؐ کی تشریح کی گئی تھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ "جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے کسی دیکھنے والے کو دیکھا اسے آگ (دوزخ کی) چھو بھی نہیں سکتی"۔ اس حدیث میں حوالہ غلط درج ہو گیا ہے۔ اس کی تصحیح کر لیجیے۔ یہ مستدرک یا بیہقی کی روایت نہیں بلکہ ترمذی کی ہے جس کا درجہ مستدرک یا بیہقی سے بلند تر ہے۔ ترمذی کا شمار صحاح ستہ میں ہے اور مستدرک یا بیہقی صحاح ستہ میں داخل نہیں۔

ہم آج جو حدیثِ نبویؐ پیش کر رہے ہیں وہ بھی ترمذی ہی کی روایت ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

اللہ اللہ فی اصحابی۔ لا تتخذوھم غرضا بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ یوشک ان یاخذہٗ۔

میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد ان کو ہدف ملامت نہ بناتے پھرنا کیونکہ ان سے جو محبت کرے گا وہ میری ہی محبت کی وجہ سے کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ہی بغض کی وجہ سے بغض رکھے گا۔ جو انھیں ایذا پہنچائے گا وہ مجھے ایذا پہنچائے گا اور جو مجھے ایذا دے گا وہ اللہ کو ایذا دے گا اور جو اللہ کو ایذا پہنچائے گا اللہ اس کی عن قریب گرفت فرمائے گا۔

گزشتہ قسط کو سامنے رکھیے جس میں بہت سی باتیں بیان کی گئی تھیں۔ زیرِ بحث حدیث کو اس کی مزید تشریح سمجھنا چاہیے۔ گزشتہ قسط کے چند نکات یہ ہیں۔

۱۔ از روئے قرآن اللہ نے ایمان کو صحابہ کرام علیہم السلام کا محبوب و مطلوب بنا دیا ہے اور ایمان سے ان کے دلوں کو مزین و منور فرما دیا ہے اور کفر و فسق و عصیان سے ان میں نفرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کر دی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

۲۔ مسجد نبوی میں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں انھوں نے سینکڑوں اور ہزاروں نمازیں ادا کی ہیں لہٰذا ان کے اجر و ثواب کا کوئی شخص اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

۳۔ یہ سب کے سب انسان ہی تھے اور ان سے غلطیاں بھی ہوئیں لیکن ان کی نیکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے گناہ بھی ان کے ساتھ مل کر طاعت بن گئے ہیں۔ ایک نجس کپڑا گھڑے میں جا کر پورے گھڑے اور اس کے پانی کو ناپاک کر دیتا ہے لیکن دریا میں جائے تو دریا ناپاک نہیں ہوتا بلکہ پانی کی فراوانی کی وجہ سے خود وہ نجس کپڑا ہی پاک ہو جاتا ہے۔

۴۔ ان کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ کیسا تھا بلکہ اس زاویۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کیسے تھے۔ یعنی بالنسبۃ الی المعاصرین کی بجائے بالنسبۃ الی الرسولؐ دیکھنا چاہیے۔ پرکھنے کا صحیح معیار رسولؐ ہے۔

ان تمام نکات کو سامنے رکھیے۔ اس کے بعد پیش نظر حدیث پر غور کیجیے۔ حضورؐ نے سب سے پہلے تو یہ فرمایا کہ اگر تمھیں ذرا بھی خوفِ خدا ہے تو میرے صحابہ کے بارے میں اس خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھو۔ یعنی میرے بعد ان کو ہدفِ طعن و ملامت نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ مجھے محبوب ہیں اور جسے مجھ سے محبت ہوگی وہ یقیناً ان سے بھی محبت کرے گا اور جو اُن سے بُغض رکھے گا وہ اس حقیقت کی دلیل ہوگی کہ وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ یہاں دو عظیم نکتے ہیں جو غور طلب ہیں۔

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں وہی معیار عطا کیا گیا ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی ایک صحابی کو پرکھنے کے لیے دیکھنا صرف یہ چاہیے کہ کیا ان میں سے کسی کو نعوذ باللہ حضورؐ سے کوئی چشمک تھی، اور کیا وہ حضور کی نگاہوں میں قابلِ نفرت تھا؟ اگر ایسا نہیں — اور یقیناً نہیں — تو یہ سمجھ لینا چاہیے جسے حضور سے محبت ہوگی اس کے دل میں یقیناً تمام صحابہ صلوات اللہ علیہم کی بھی محبت ہوگی کیونکہ یہ حضور کو محبوب تھے۔ حضورؐ کے محب و وفادار، جاں نثار، مددگار اور فرماں بردار تھے۔ اور اگر کوئی ان صحابہ سے جو خود حضورؐ کو محبوب تھے بغض رکھتا ہے تو یہ صرف اس بات کی دلیل ہوگی کہ اسے آنحضورؐ سے محبت، عظمت اور اطاعت کا تعلق نہیں رہا بلکہ اس کی جگہ بُغضِ رسولؐ پرورش پا رہا ہے اور اس نے پرکھنے کا معیار حضور کی محبت و اطاعت

© rasailojaraid.com

کو نہیں بلکہ کچھ اور بنا رکھا ہے۔

(ب) دوسری بات یہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک بشری سطح کی محبت ہے اور دوسری دینی سطح کی۔ بشری محبت یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی اولاد یا اقربا سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت ایک حیوانی سطح کی فطری محبت ہے۔ ہر جانور کو بھی اپنے بچوں سے محبت اور بے لوث فطری محبت ہوتی ہے۔ اس سے کفر و اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام کو اپنے فرزند سے یقیناً محبت تھی۔ جبھی تو اس کے ڈوبنے کا منظر آپؑ سے نہ دیکھا گیا اور فریاد کرنے لگے کہ: الٰہی میرا فرزند بھی میرے اہل میں ہے اور تیرا وعدہ (کہ میرے اہل کو نجات دلادے گا) سچا ہے۔" لیکن کیا اس بشری محبت کی وجہ سے سیدنا نوحؑ کی امت پر بھی کنعان فرزندِ نوحؑ کی محبت ضروری تھی؟ نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ بشری محبت ہے۔ حیوانی سطح کی فطری محبت ہے۔ امت ایسی محبت پر مجبور نہیں۔ امت کو صرف دینی محبت کی ہدایت ہے نہ کہ بشری محبت کرنے کی۔ سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عباسؓ دونوں حضور کے حقیقی چچا تھے اور عبدالعزیٰ (ابولہب) بھی حضور کا سگا چچا تھا لیکن کیا ان سارے چچاؤں سے محبت ضروری ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ پھر یہ فرق کیوں ہے۔ حمزہ و عباس رضی اللہ عنہما کی محبت عین دین ہے، کیونکہ ان سے حضور کو بھی محبت تھی اور دینی محبت تھی۔ بخلاف اس کے ابولہب سے محبت نہیں بلکہ نفرت ضروری ہے کیونکہ باوجود حقیقی چچا ہونے کے حضور کو اس سے نفرت تھی اور بربنائے دین نفرت تھی اور خدا نے بھی بربنائے دین ہی اس نفرت کو باقی رکھا اور تبت یدا ابی لہب نازل کیا۔ حالانکہ چچا ہونے میں ابولہب حضرت حمزہؓ و حضرت عباسؓ کے برابر ہی تھا۔ پھر ایک نکتہ اور بھی غور طلب ہے کہ حضرت حمزہؓ کا درجہ حضرت عباسؓ سے بہت بلند ہے کیونکہ سیدنا حمزہؓ ۶ سنہ نبوت میں ایمان لائے ہیں اور حضرت عباسؓ گیارہ بارہ سال (غزوۂ بدر ۲ھ) کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ نیز جناب حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے ہیں اور آنحضورؐ نے آپؓ کو سید الشہدا کا لقب دیا ہے۔ غرض یہ افضلیت و مفضولیت بھی بربنائے دین ہے۔ بربنائے قرابت نہیں۔ پس کسی صحابی سے اگر بربنائے قرابت محبت ہو جائے تو اس کا تعلق اسلام و کفر یا صحیح معیارِ حُبّ و بُغض سے نہیں اور نہ ایسی محبت کسی امتی کے لیے

© rasailojaraid.com

ضروری ہے۔ ضروری محبت صرف وہ ہے جو بر بنائے دین ہو اور بالنسبۃ الی الرسول ؐ ہو۔ صحابہ ؓ کا آپس میں اگر کوئی اختلاف ہو، کوئی کش مکش ہو، حتیٰ کہ جنگ بھی ہو تو یہ عین ممکن ہے۔ اور اس صورت میں بھی وہ سب کے سب ہمارے لیے واجب الاحترام اور حسنِ ظن کے مستحق ہوں گے۔ قرآنی ارشاد ہے:

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما ۔۔۔۔۔ (۴۹ : ۹)

اور اگر اہلِ ایمان کے دو گروہوں میں جنگ ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو۔

اس واضح آیت کے ہوتے ہوئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دو اہلِ ایمان گروہوں میں بھی خوں ریزی ہو سکتی ہے، خواہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہو۔ اس جنگ کے باوجود دونوں کو اللہ تعالیٰ مومن فرما رہا ہے۔ دونوں یکساں نیک نیت بھی ہو سکتے ہیں اور اپنی اپنی نیک نیتی کی وجہ سے ہر ایک حق پر ہو سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حقّ ہو اور دوسرا اَحقّ ہو۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ جب دو مسلمان گروہ آپس میں دست و گریبان ہوں تو لازماً ان میں ایک حق اور دوسرا باطل ہو گا یا ایک کفر پر اور دوسرا اسلام پر ہو گا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک کی طرف سے زیادتی ہو اور دوسرے کی طرف سے زیادتی نہ ہو بلکہ دفاعی کارروائی ہو۔ ایسی صورت میں جو قرآنی حکم ہے وہ اسی آیت کا اگلا حصہ ہے:

فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓئ الی امر اللہ۔ ۔۔۔۔۔ (۴۹ : ۹)

ہاں اگر (ان دونوں گروہوں میں) ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ کے خلاف سب مل کر جنگ کریں تا آنکہ وہ خدائی فیصلے کی طرف واپس آ جائے۔

یعنی دونوں گروہوں میں ایک کی زیادتی بھی ہو اور اس کی زیادتی کے خلاف سب کو مل کر جنگ بھی کرنی پڑے تب بھی وہ زیادتی کرنے والا گروہ از روئے قرآن یقیناً مومن ہی رہے گا۔ آج بھی بعض مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے ہیں لیکن کسی گروہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے مخالف گروہ کو کافر کہے اور دائرۂ ایمان و اسلام سے خارج قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے ۔ اگر ایک مسلمان مملکت کی صریح زیادتی ہو اور تمام دوسرے مسلمان ممالک مل کر اُسے راہ راست پر لانے کے لیے اس سے جنگ کریں جب بھی اسے غیر مسلم قرار دے کر جنگ نہیں کی جائے گی بلکہ اسے زیادتی کرنے والا مسلمان ہی کہا جائے گا۔

زیر نظر حدیث میں اسی گناہ سے روکنے کے لیے حضور نے فرمایا ہے کہ :

لا تتخذوھم غرضا من بعدی

انھیں میرے بعد نشانۂ ملامت نہ بناؤ۔

یہ حرکت یقیناً صحابہ کی ارواح طیبات کے لیے ایذا رساں ہے۔ اسی لیے اس ارشادِ نبوی کا اگلا حصہ یہ ہے ؛ ومن آذاھم الخ - "یعنی جو انھیں ایذا پہنچائے وہ مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور جو مجھے ایذا دے وہ خدا کو ایذا دیتا ہے اور جو خدا کو ایذا دے تو خدا اسے معاف نہیں کرے گا بلکہ عن قریب اس کی گرفت کرے گا۔" یہ "عن قریب" (دیوشلش) کا لفظ کتاب و سنت میں بڑا وسیع المعنی ہے اور ہر تھوڑا یا بڑا وقت اس میں اضافی طور پر داخل ہے۔ قرآن میں آنے والی قیامت کو بھی قریب کہا گیا ہے : لعل الساعۃ تکون قریبا (۳۳ : ۶۳) - یہاں اس کی تشریح مقصود نہیں، تاہم اتنا پیش نظر رہنا چاہیے کہ مکمل طور پر بلا شک و شبہ جو چیز یقینی ہو، اسے عام زمانی و مکانی قرب و بعد کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا۔ بعید سے بعید چیز بھی یقینی ہونے کی وجہ سے قریب سمجھ لی جاتی ہے اور اس کا اظہار ایسے الفاظ سے ہوتا ہے جو بالکل قریب کے لیے بولے جاتے ہیں اور یہ ہر زبان میں ہوتا ہے، ہم بولتے ہیں۔ "ابھی کل کی بات ہے کہ ہٹلر کا ستارہ عروج پر تھا۔" یا کہتے ہیں :

جو آج کرو گے وہی کل تمھارے سامنے آئے گا

یہاں "کل" کا لفظ چوبیس گھنٹے پہلے یا بعد کے لیے نہیں بلکہ یہ برسوں اور بعض اوقات صدیوں پہلے یا بعد کے مفہوم پر حاوی ہے۔ یوں ہی "کل قیامت کے دن" کا لفظ ہے۔ ارشادِ نبویؐ میں جو یوشلش (قریب ہے) بھی اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ قرآن اور احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اس ارشادِ نبویؐ میں صحابہ صلوات اللہ علیہم کے بارے میں خوفِ خدا کو ملحوظ رکھنے، ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت کرنے، ان سے بغض اور ایذا رسانی سے اجتناب کرنے کی جو ہدایات ہیں اس کی وجہ یہی ہیں کہ وہ رفقائے نبیؐ ہیں۔ ایمان ان کا سرمایہ اور زینت ہے۔ کفر، فسق اور عصیان سے انھیں نفرت ہے۔ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ رسولؐ کے جاں نثار و وفادار اور مطیع و فرماں بردار ہیں۔ قرآن پاک نے جہاں اہل ایمان اور اہلِ نفاق کے انجام کا اُخروی فرق بتا دیا ہے وہاں دنیوی انجام کا فرق بھی واضح کر دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

لئن لم ینته المنٰفقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینك بهم ثم لا یجاورونك فیها الا قلیلا ۝ ملعونین ۚ اینما ثقفوا اخذوا وقتّلوا تقتیلا ۝ (۳۳: ۶۰، ۶۱)

اگر باز نہ آئے منافقین اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینے میں افواہیں پھیلاتے ہیں تو ہم تمھیں ان پر غالب کر کے رہیں گے۔ پھر یہ مدینے میں تمھارے قریب نہ رہ سکیں گے مگر برائے نام۔ یہ ملعون لوگ ہیں۔ اور جہاں پائے جائیں گے وہاں گرفتار کیے جائیں گے اور بُری طرح قتل کیے جائیں گے۔

یہ خدا کی پیش گوئی تھی جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مدینے میں وفاتِ نبویؐ کے وقت کوئی منافق نہ رہا۔ یا وہ فنا کر دیے گئے، یا باہر نکال دیے گئے۔ وہی لوگ جوارِ نبیؐ میں رہ گئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک مومنِ کامل تھے۔

گلستانِ حدیث

از مولانا محمد جعفر پھلواروی

یہ چالیس منتخب احادیثِ نبوی کی تشریح ہے۔ ہر حدیث کے مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت بہت دلنشین انداز میں بیان کی گئی ہے۔

صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۳/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com